بسم اللہ الرحمن الرحیم

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَاتَمِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِين، نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِين، أَمَّا بَعْدُ:

57-قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے

العقیدۃ الواسطیۃ لشیخ الاسلام الامام ابوالعباس احمد ابن تیمیہ رحمہ اللہ، شرح فضیلۃ الشیخ العلامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ۔اور ہم بات کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے تعلق سے اور پچھلے درس میں ہم نے اللہ تعالیٰ کے صفت کلام کے تعلق سے چند اہم باتیں کی تھیں (اور ایک واجب بھی دیا تھا بھائیوں کو کہ اہل سنت والجماعت کا اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کے تعلق سے کیا عقیدہ ہے دلیل کے ساتھ بیان کریں؟ کر کے آئیں ہیں ساتھی؟ دیکھتے ہیں درس کے بعد ان شاءاللہ)۔

آج کی نشست میں جہاں پر رُ کے تھے وہیں سے درس کا آغاز کرتے ہیں اور اس کا تعلق بھی اللہ تعالیٰ کی صفت کلام سے ہی ہے، قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس کو بیان کیا ہے: "قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے"۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ شرح میں فرماتے ہیں: کہ مصنف رحمہ اللہ نے اب اُن آیات کا ذکر کیا ہے جن میں قرآن مجید اللہ تعالیٰ کے کلام کا ثبوت موجود ہے، اور یہ مسئلہ جو ہے (یعنی قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے) اس میں بہت زیادہ نزاع اور اختلاف ہوا ہے اہل سنت والجماعت کا اور معتزلہ کا، اور بہت ہی شرِّ کثیر ہوا ہے اہل السنہ پر، اور بہت اذیت پہنچائی گئی مختلف علماء کو اور اِن علماء میں سے ہیں جن کو شدید اذیت پہنچائی گئی امام اہل السنہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ، بعض علماء نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے تعلق سے یہ فرمایا ہے اس فتنے کے بعد: "کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی حفاظت کی ہے (یا نصرت کی ہے) سیدنا ابو بکر صدیق سے ردّت کے دن، اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے آزمائش کے دن (یا محنۃ کے دن)"۔

ردّت سے مراد: جب لوگوں نے اللہ تعالٰی کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد زکٰوۃ دینے سے انکار کردیا اور اُن میں سے بعض نے یہ کہا کہ زکٰوۃ فرض ہی نہیں ہے (جو ارکان اسلام کا ایک رکن ہے)، اور مرتد ہونا شروع ہوئے بعض لوگ، تو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بڑی سختی سے کام لیتے ہوئے تمام لوگوں نے زکٰوۃ لی جو یعنی صاحب نصاب تھے اور یہ فرمایا: "کہ اگر کسی نے ایک رسّی بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں زکٰوۃ دی ہے تو میں وہ بھی نہیں چھوڑوں گا، اور نماز اور زکٰوۃ میں کوئی فرق نہیں ہے"۔

غرض لمبا قصہ ہے لیکن سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس اقدام کے بعد کافی لوگ واپس آئے اور توبہ کی اور دین اسلام محفوظ ہوگیا اور دین اسلام کو نصرت ہوئی، اس لیے بعض علماء نے کہا ہے: "کہ بے شک اللہ سبحانہ وتعالٰی نے دین اسلام کی حفاظت کی ہے ابو بکر صدیق کے ذریعے سے "یوم الردۃ" ردّت کے دن"۔

ردّت سے مراد بعض لوگوں کا مرتد ہونا۔

اور دوسرا جملہ جو آج کا ہمارا موضوع ہے: "اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے ذریعے سے محنۃ کے دن (آزمائش کے دن)"۔

اور آزمائش یہی تھی شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں (اور جو آزمائش ہے وہ یہ تھی) کہ مأمون جو خلیفہ تھا "عفا اللہ عنا وعنہ": لوگوں کو مجبور کرتا رہا کہ لوگ یہ کہیں "قرآن مخلوق ہے" (نعوذ باللہ) یہاں تک کہ لوگوں کو آزمائش میں ڈال کر قتل وغارت بھی شروع کردی جو نہیں مانتے تھے، اور اکثر علماء کی یہ رائے تھی کیونکہ انہیں مجبور کیا جارہا ہے اور قتل بھی کیا جارہا ہے تو مجبوری کی حالت میں ایسے معاملات میں اُمر میں وسعت ہوتی ہے، اور پھر اُن دونوں میں سے ایک پر عمل کرنا شروع کرتے تھے، یا تو وہ یہ کہتے تھے: "کہ یہ اِکراہ کی حالت ہے ہم سب مجبور ہیں مجبوری کی حالت ہے اور مجبور شخص اگر کفر کے الفاظ بھی کہہ دے جبکہ اُس کا دل ایمان پر مطمئن ہو تو ایسی حالت میں کوئی حرج نہیں ہے اُس کی معافی ہے"۔

یا دوسرا طریقہ جو اپناتے تھے اس آزمائش میں کہ وہ تاویل سے کام لیتے تھے اور لفظ کو اپنے ظاہر کے علاوہ استعمال کرتے تھے، مثال کے طور پر وہ یہ کہتے تھے یوں گنتے تھے انگلیوں پر: "قرآن، تورات، انجیل اور زبور، یہ ساری مخلوق ہیں"، اور اشارے اُن کی انگلی کی طرف ہوتے تھے (انگلی تو مخلوق ہے نا)۔

تو اس تاویل سے کام لے کر اپنی جان چھڑا لیتے تھے، یعنی اُس زمانے میں علماء کے دو گروہ تھے:

1- ایک وہ گروہ جس نے کہہ دیا کہ قرآن مخلوق ہے، اور ان کے دو قسم کے لوگ تھے: (۱) پہلا گروہ یہ تھا جس نے کہا کہ ہم مجبور ہیں مجبوری کی حالت میں آپ کفریہ لفظ بھی کہہ سکتے ہیں جبکہ آپ کا دل ایمان پر مطمئن ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ﴾ (النحل:106)۔ (۲) اور دوسرے گروہ نے یہ کہا ہے کہ اِکراہ کی حالت تو ہے ہم مجبور تو ہیں ویسے کوئی نہیں لیکن دوسرا بھی طریقہ ہے کہ ہم قرآن کے بارے میں کہیں ہی نہیں، نیت ہماری یہ ہے کہ انگلیاں جو ہیں جب ہم گن رہے ہیں کہ صرف قرآن ہے ہم تو یہ کہتے ہیں "قرآن، تورات، انجیل اور زبور، یہ چاروں جو ہیں (اور اشارہ انگلی کی طرف کرتے) یہ مخلوق ہیں، اس تاویل سے اپنی جان چھرا لیتے۔

2- لیکن جو دوسرا گروہ ہے جو ڈٹ گئے اور انہوں نے کہا کہ قرآن مخلوق نہیں ہے، ان میں دو علماء کا نام آتا ہے: امام احمد بن حنبل، اور امام محمد بن نوح (رحمہما اللہ): انہوں نے انکار کیا اور یہ کہا" کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو نازل ہوا ہے اور مخلوق نہیں ہے"۔

اب یہ جملہ پہلی مرتبہ آیا تھا، دیکھیں جملے کس طریقے سے (آگے بتاتا ہوں وجہ کیا ہے اور کس طریقے سے) اہل بدعت کا ردّ کرتے کرتے ایک عقیدہ کیسے بنا اہل سنت والجماعت کا، اور آج کے درس میں یہ نوٹ کر لیں آگے دو اہم چیزیں:

(۱) قرآن مجید کے تعلق سے اہل سنت والجماعت کا کیا عقیدہ ہے؟ ایک جملہ ہوگا اور اس کا پوری دلیل کے ساتھ ان شاء اللہ بیان ہوگا۔

(۲) آخر قرآن مجید کو مخلوق کہنے میں کیا حرج ہے؟ اکثر یہ سوال اٹھتا ہے کہ اگر کہہ دیں کہ قرآن مجید مخلوق ہے تو کیا فرق پڑتا ہے؟

فرق پڑتا ہے کہ نہیں، پڑتا ہے تو کتنا بڑا فرق پڑتا ہے آج کے درس میں سمجھائیں گے ان شاء اللہ، اور سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان دونوں اماموں نے (امام احمد بن حنبل اور امام محمد بن نوح رحمہما اللہ نے) یہ دیکھا کہ اس صورت میں مجبوری اور اِکراہ کا مقام جو ہے وہ نہیں ہے، اور وہ حق کے خلاف بات نہیں کر سکتے کیونکہ یہ مقام مقامِ جہاد ہے، اور جو مجبوری ہے اُس کی معافی تب ہوتی اگر شخصی مسئلہ ہو (ذاتی مسئلہ ہو)، یعنی شخص کا اپنے تعلق سے

کوئی مسئلہ ہو اُس کی اپنی صرف جان کو خطرہ ہو اور اُس کا تعلق کسی اور چیز سے نہ ہو تب تو انسان اپنی جان بچانے کے لیے مجبوری کی حالت میں کچھ بھی کہہ سکتا ہے لیکن جب مسئلہ ہو دین اور اللہ تعالیٰ کی شریعت کی حفاظت کا تو واجب یہ ہے کہ انسان بے شک اپنی جان قربان کر لے لیکن شریعت کا تحفظ اور پاسداری باقی رہے۔

اور پھر (شیخ صاحب فرماتے ہیں) اگر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اُس وقت یہ کہہ دیتے کہ قرآن مخلوق ہے اگرچہ تاویل سے یا اِکراہ جیسا کہ بعض علماء نے کہا ہے (انگلی کی طرف اشارہ کر کے کہہ دیتے)، یا مجبوری کی حالت میں کہہ دیتے تو اُس وقت سارے لوگ یہ کہتے کہ قرآن مخلوق ہے! اور پورا جو اسلامی معاشرہ ہے اُس میں تبدیلی آجاتی صرف اس ہیجان کو بچانے کے لیے مجبوری کی حالت میں، اور یہ بدعی قول جو ہے پھیل جاتا اور ہر مسلمان کی زبان پر یہ ہوتا کہ قرآن مخلوق ہے (نعوذ باللہ)، لیکن انہوں نے یہ تہیہ کر لیا اور اس بات پر ڈٹ گئے کہ حق بات کرنی ہے اگرچہ جان بھی چلی جائے، اور اُن ہی کے لیے عاقبت ہے "والحمد للہ" اور اللہ تعالیٰ نے اُن کو کامیاب کیا۔

اہم بات یہ ہے (شیخ صاحب فرماتے ہیں) کہ قرآن مجید کے تعلق سے جو ہم بات کر رہے ہیں اُس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے صفت کلام ہی سے ہے عمومی طور پر، لیکن جب یہ آزمائش واقع ہوئی اور اہل سنت والجماعت اور معتزلہ کے بیچ میں یہ فتنہ شروع ہوا اور اختلاف شروع ہوا تو پھر لوگوں نے (یعنی علماء نے) خصوصی طور پر قرآن مجید کے تعلق سے الگ سے بات کرنا شروع کی۔

صفت الکلام اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہے (جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے) اور قرآن مجید بھی اللہ تعالیٰ کے کلام میں سے ہے لیکن الگ سے ہم کیوں بات کرتے ہیں؟ پچھلے درس میں کلام کی بات کر لی ہم نے صفت الکلام کافی ہے؟ نہیں کافی نہیں ہے! وجہ کیا ہے؟ کیونکہ قرآن مجید کے تعلق سے اہل بدعت نے ایک اور بدعت چھوڑ دی: ایک تو اللہ تعالیٰ کی صفت صفت الکلام کا انکار کرنا ہے، پھر قرآن مجید کو بھی مخلوق کہہ دینا ہے تو ایک اور مسئلہ تھا جس کا تعلق صفت الکلام سے تو ہے لیکن مسئلہ کچھ اور نیا آیا ہے اُس پر آزمایا بھی شدید گیا ہے، اور فتنہ بہت شدید تھا! تو اس فتنے سے بچنے کے لیے کیونکہ شر ہمیشہ رہتا ہے (لوگ مر جاتے ہیں لوگ تبدیل ہو جاتے ہیں لیکن فکر اور سوچ باقی رہتی ہے) کیونکہ بعض لوگ اکثر کہتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب آپ عقیدے کی باتیں کرتے رہتے ہیں معتزلہ کا نام بار بار لیتے ہیں کہاں ہیں

معتزلہ آج دکھائیں مجھے ؟! میرے بھائی! معتزلہ اگر آپ جانتے ہیں کہ ایک گروہ ہے یا فلاں شخص کا نام جو اُس کا بانی تھا وہ دنیا سے چلے گئے ہیں فکر تو باقی موجود ہے نا!

آج یہ لوگ موجود نہیں ہیں جو کہتے ہیں کہ قرآن مخلوق ہے کس نے کہا ہے موجود ہیں؟ موجود ہیں آج بھی۔ وہ بھی موجود ہیں جنہوں نے ان سے متاثر ہو کہا کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا مجازی کلام ہے حقیقی کلام نہیں ہے! یا یہ کلام جو ہے اللہ تعالیٰ سے ابتداءً نہیں ہے بلکہ یہ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام ہے یا سیدنا جبریل علیہ الصلاۃ والسلام کا کلام ہے اللہ تعالیٰ کا کلام تو ہے!

اس لیے سب بات آئے گی بتارہا ہوں میں آپ کو پوری تفصیل آئے گی ان شاءاللہ لیکن یہ باتیں ہوئی ہیں۔

اس لیے علماء نے کیا کیا ہے؟ اب اس فتنے کا الگ سے سدّباب کرنے کے لیے اس کی تفصیل الگ سے بیان کی ہے ورنہ یہ کافی تھا اگر یہ فتنے نہ ہوتے اور یہ اہل بدعت نہ ہوتے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کا انکار کیا ہے (تو یہ کافی تھا) کہ اللہ تعالیٰ کلام فرماتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے، بات ہی ختم تھی! لیکن جب انہوں نے انکار کیا فتنہ وجود میں آیا، اس فتنے نے آہستہ آہستہ پھیلنا شروع کیا لوگوں میں اور بعض تذبذب کا شکار ہوگئے کہ ابھی یہ بات کیسے ہورہی ہے؟! عقلی بات ہورہی ہے عقلی دلائل موجود ہیں ہم کیا کریں کس کی نہ مانیں؟! جبکہ بات ایسی ہے ہی نہیں۔

اس لیے دیکھیں جب صحابہ کا زمانہ تھا، جب یہ آیتیں نازل ہوتی تھیں اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کیا اُن کی عقل نہیں تھی یا سمجھ نہیں تھی؟ یا نعوذ باللہ وجہ کیا تھی کہ اُن میں سے کسی ایک نے بھی سوال نہیں کیا بھئی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے تو کیا حقیقی ہے مجازی ہے؟ کلام کیسے ہوگا؟ مخلوق بھی کلام کرتی ہے اس میں مشابہت لازم آتی ہے، مثلیت لازم آتی ہے! یہ لازم آتا ہے وہ لازم آتا ہے!

کیا (نعوذ باللہ) اُن کی عقلیں نہیں تھیں؟! یہ بڑے سمجھدار عقلمند آگئے بعد میں آنے والے جنہوں نے دس اعتراض کھڑے کرکے پچاس مسائل کھڑے کردیئے! کیوں؟ کیونکہ عقل تو نہیں مانتی۔

تمہاری عقل کیسی عقل ہے جس کو یہ نہیں سمجھ کہ اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے؟! اور وہ یہ کہتے ہیں نہیں ہماری عقل اُس سے بھی بڑھ کر ہے، ہماری عقل کی شان اُس سے بھی بڑھ کر ہے! (نعوذ باللہ)۔ نہیں، یہی مطلب ہے نا اور کیا ہے؟! اس لیے پریشان نہ ہوں۔

بعض ساتھی کہتے ہیں "چھوٹا سا مسئلہ ہوتا ہے آپ لمبی بات کر دیتے ہیں": اس لیے لمبی بات کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو سمجھ آئے۔

علماء نے کیوں ابھی اتنے یعنی شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے تقریباً آٹھ دس دلائل بیان کیے ہیں، اور پچھلے درس میں تقریباً سات آٹھ تھے یا دس سے زیادہ تھے اور آج کی نشست میں شاید اس سے بھی زیادہ ہوں گے ایک آیت کافی نہیں تھی کیا؟! لیکن آیت میں الگ پیغام ہے، دوسری میں الگ پیغام ہے، تیسری میں الگ۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں تنوع کیوں بیان کیا ہے؟ دیکھیں وجہ ہے نا۔ اللہ تعالیٰ کا کیا ارادہ ہے؟ آخر یہ آیتیں جو ہیں اللہ تعالیٰ کے کلام کے تعلق سے کہ کہیں پر سرگوشی ہے کہیں پر اعلان ہے، کہیں پر مفعول مطلق ہے ﴿كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا﴾ (النساء: 164)۔ یہ چیزیں کیوں تنوع کس وجہ سے ہے؟

کہیں پر ضمیر ہے ﴿وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ﴾ (الاعراف: 143) ضمیر کیوں استعمال کیا ہے؟

اگر انسان سوچے تھوڑی سی بھی اگر عقل ہو سمجھ ہو لوگوں کو کیونکہ عربی کے بڑے ماہر ہیں یہ لوگ (سبحان اللہ) اور یہ حجت قائم ہوگی قیامت کے دن! کیونکہ آپ علم میں جتنی زیادہ قوت رکھتے ہیں اگر اس میں آپ نے حق ادا نہیں کیا تو وہی آپ کے لیے پھر وبال جان بنے گا قیامت کے دن کہ بھئی تمہیں سمجھ بھی تھی یہ نہیں کہ آپ کو عربی نہیں آتی تھی، گرامر کے بھی آپ ماہر تھے عربی آپ بہترین طریقے سے جانتے تھے، عقل بھی تمہارے بڑی شارپ تھی تو پھر مانا کیوں نہیں تم نے؟!

یعنی کیا جواب ہوگا؟! لاجواب ہیں نا یہی بات ہے! یعنی خواہش نفس کے بغیر کیا جواب ہے؟! اگر خواہش نفس کے بارے میں کہتے ہیں تو پھر مرتے ہیں۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ میری خواہش نفس تھی؟!

جبکہ سلف صالحین جن کا ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اُن کے راستے کی اتباع کریں سبیل المؤمنین کا ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کیوں دیا ہے؟ کیونکہ اُن کے دل بھی صاف اور پاک تھے اور دماغ اور عقل بھی صاف اور پاک تھی، جو سوال کرنے تھے کرتے تھے، جو نہیں کرنے تھے وہ کرتے نہیں تھے، اور واللہ اگر آپ دیکھیں لیں کہ جو سوال انہوں نے کیے ہیں اور محفوظ ہیں حدیث کی کتابوں میں کتنی خیر ہے اُن میں!

ایمان میں، تقویٰ میں، عقیدے کی مضبوطی میں، عمل کی مضبوطی میں، قول اور فعل میں، اخلاقیات میں دیکھ لیں آپ، صرف أربعین النووی اٹھا کر دیکھ لیں آپ جس میں چند سوالوں کے تعلق سے بعض صحابہ نے سوال کیے ہیں۔

اور یہ بھی سوال کر رہے ہیں آج لیکن کہاں تک چلے گئے ہیں لوگ اور کیا سوال کرتے ہیں؟! (سبحان اللہ)۔

دیکھیں فرق دیکھیں زمین اور آسمان کا کہ جب دل پاک ہوتا ہے تو پھر عقل بھی پاک ہوتی ہے پھر زبان بھی پاک ہوتی ہے، جب دل میں خلل ہوتا ہے پھر عقل بھی خراب ہے پھر زبان بھی خراب ہوتی ہے پھر سوال بھی ایسے ہی ہوتے ہیں پھر! (نعوذ باللہ)۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں: کہ مصنف رحمہ اللہ نے اب اُن آیات کو بیان کیا ہے جن میں اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کے تعلق سے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے متعدد آیات میں۔

1-پہلی آیت سورۃ التوبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ﴾إلي آخر الآية(التوبہ:6)۔

﴿أَحَدٌ﴾: یہ اسم ہے، اور ﴿إِنْ﴾: أداۃ الشرط ہے۔

اب شیخ صاحب پہلے تو یہ بیان کر رہے ہیں کہ اصل جو شاہد ہے ﴿فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ﴾: ﴿يَسْمَعَ﴾ (سنتا ہے) ﴿كَلَامَ اللَّهِ﴾ (اللہ تعالیٰ کا کلام): اور بات قرآن مجید کے تعلق سے ہو رہی ہے، تو اس میں واضح دلیل ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ یہ واجب ہے لیکن چند اہم باتیں اس سے پہلے:

اب ہمیں یہ پتہ ہے کہ: (ا) ﴿إِنْ﴾ شرطیہ ہے اور ﴿إِنْ﴾ شرطیہ کے بعد ہمیشہ فعل آتا ہے اگر اسم آجائے تو پھر کیا ہو گا؟ اس میں پھر بعض جو گرامر کے علماء ہیں اُن میں اختلاف بیان کیا ہے لیکن جو آسان بات اس میں یہ ہے کہ (میں

زیادہ ڈیٹیل میں نہیں جاتا تاکہ آسان ہو سمجھنا): (۲) ﴿اَحَدٌ﴾: جو ہے یہ فاعل مقدم ہے۔ (۳) اور جو فعل استجار ہے، (اسۡتَجَارَ جو فعل ہے) یہ مؤخر ہے، اور فاعل فعل سے پہلے بیان ہو سکتا ہے تخصیص کے لیے۔

اور پھر شیخ صاحب نے کہا ہے کہ یہ تین اقوال بیان کیے ہیں، یہ تینوں قول جو ہیں اس میں سے جو آسان ہے کیونکہ لغت اور نحو کے تعلق سے جو معاملہ ہوتا ہے تو جو آسان معاملہ ہے وہ لیا جاتا ہے کیونکہ اس میں علماء کی لمبی بحث ہے:

کسی نے کہا: کہ جب حرف الشرط ہوتا ہے ﴿اِنۡ﴾ شرطیہ کے بعد اسم نہیں آسکتا تو فعل ہونا چاہیے۔

پھر کسی نے کہا: نہیں، یہ جو ہے اس میں فعل مقدر ہے: "استجارك أحد" تو مقدر فعل کرنا پڑے گا، ہمیشہ جو ہے تقدیر پہلے کرنی پڑے گی۔

اور کسی نے کہا: نہیں، یہ تو منع نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں کئی جگہ پر ایسے موجود ہے، اور کئی آیات کو بطور دلیل بیان کیا ہے، جیسا کہ ﴿اِذَا السَّمَآءُ انۡشَقَّتۡ﴾ (الانشقاق: 1): اب ﴿اِذَا﴾ شرطیہ ہے، اس کے بعد ﴿السَّمَآءُ﴾ ہے۔ بلکہ نہیں پھر اس میں آپ کو کیا کرنا پڑے گا؟ "إذا انشقت السماء": تو فعل مقدر کرنا پڑے گا آپ کو۔

تو شیخ ابن عثیمین فرماتے ہیں: جو آسان قول ہے وہ یہی ہے کہ فاعل مقدم ہے بات ہی ختم ہو گئی۔

"إذا انشقت السماء": یہ ہونا چاہیے نا؟ تو ﴿اِذَا السَّمَآءُ انۡشَقَّتۡ﴾: تو فاعل پہلے بیان کر دیا ہے، اور جو فعل ہے وہ بعد میں بیان کر دیا گیا ہے۔

بہر حال، تو یہ گرامر کے تعلق سے چند باتیں تھیں۔

﴿اسۡتَجَارَكَ﴾: سے مراد "طلب الجوار": یعنی "العصمة والحماية": پناہ۔

﴿حَتّٰى يَسۡمَعَ﴾ (یہاں تک کہ وہ سُن لے) ﴿كَلٰمَ اللّٰهِ﴾ (اللہ تعالیٰ کا کلام): اور اس سے مراد قرآن مجید ہے "وهذا بالاتفاق" شیخ صاحب فرماتے ہیں (﴿كَلٰمَ اللّٰهِ﴾ سے یہاں مراد نہ تورات ہے نہ انجیل ہے نہ کچھ اور ہے بلکہ قرآن مجید ہی ہے، اس میں سب کا اتفاق ہے)۔

اور ﴿فَاَجِرۡهُ حَتّٰى يَسۡمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ﴾: کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا سننا جو ہے (قرآن مجید جو ہے) اس میں بڑی تاثیر ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَذِكۡرٰى لِمَنۡ كَانَ لَهٗ قَلۡبٌ اَوۡ اَلۡقَى

﴿السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ﴾ (کہ بے شک قرآن مجید میں نصیحت ہے اُن لوگوں کے لیے جن کا دل ہو اور جس نے سنا ہے وہ شہید ہو (گواہی بھی دیتا ہو))(ق:37) بشرطیکہ آپ نے سننا ہے اور دل کھول کر سننا ہے اور جس نے ایک دفعہ دل سے سن لیا ہے تو قرآن مجید کی نصیحت بہت ہی آسان ہے۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): بہت سارے ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام یعنی قرآن مجید سنا ہے اور وہ ایمان لے کر آئے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ اُس نے صحیح طریقے سے سمجھا ہو اور مکمل طریقے سے۔

اور ﴿كَلٰمَ اللّٰهِ﴾: اللہ تعالیٰ نے کلام کو اپنی طرف منسوب کیا ہے تو اس سے یہ دلالت لی جاتی ہے (یا اس چیز کی طرف دلالت ہے) کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور وہ ایسا ہی ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

اور اہل سنت والجماعت کا عقیدہ نوٹ کر لیں ذرا یہ، شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ قرآن مجید کے تعلق سے یہ ہے، وہ یہ کہتے ہیں: "إِنَّ القرآن كَلَامُ اللهِ ، مُنَزَّلٌ ، غَيْرُ مخلوقٍ ، مِنْهُ بَدَأَ، وَإِلَيْهِ يَعُودُ" (یہ جملہ یاد رکھیں: کہ بے شک قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو نازل کیا گیا ہے، مخلوق نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابتداء ہوئی ہے اس کی، اور واپسی بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے)۔

اب ان باتوں کی دلیل دیکھیں آپ، اور پھر واجب نوٹ کر لیں آج کی یہ دلیل یہ جتنے جملے موجود ہیں آپ نے ان سب کی دلیل یاد کرنی ہے۔

"كَلَامُ اللهِ": اس کی دلیل یہی آیت سوۃ التوبہ آیت نمبر 6 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ﴾۔

اصل آیت یعنی معنی رہ گیا ہے میں پھر بتا دوں: ﴿وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ﴾ (جب مشرکوں میں سے کوئی آپ کی پناہ طلب کرے تو آپ اسے پناہ دیجیے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سُن لیں)۔

یعنی جنگ ہے اور ایک مشرک کہتا ہے کہ مجھے قتل نہ کریں آپ کی پناہ میں آتا ہوں میں اللہ کا کلام سننا چاہتا ہوں، قتل کرس دیں گے آپ ؟ اصل مقصد کیا ہے جہاد کا ؟ کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی ہو۔ دین کی سربلندی کب ہو گی ؟ جب سامنے والا شخص کلمہ پڑھ لے گا مسلمان ہو گا۔

ایک شخص کہتا ہے کہ میں قرآن سننا چاہتا ہوں تاکہ میں اسلام قبول کر لوں تو قتل کر دو گے اسے ؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اسے پناہ دے دو، ﴿فَاَجِرْهُ﴾: کہاں تک کب تک ؟ ﴿حَتّٰى﴾: للغاية: اس وقت تک جب تک کہ ﴿يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ﴾: سن لے اللہ کا کلام۔

واپس آتے ہیں، تو کلام اللہ کی دلیل کیا ہے ہم عقیدہ بیان کر رہے ہیں۔ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ کیا ہے قرآن مجید کے تعلق سے ؟

1- پہلا جملہ ہے کہ: ''القرآن كَلَامُ اللهِ''۔ اس کی دلیل کیا ہے ؟ سورۃ التوبہ آیت نمبر 6 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ﴾: جو شاہد ہے آیت میں سے ہم نے وہ لے لیا ہے۔

اور باقی آیات جو بیان کی ہیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے وہ بھی بے شک آپ یاد کر لیں اُن کا تعلق بھی اسی جملے کے تعلق سے ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

2- ''مُنَزَّلٌ''(نازل کیا گیا): اس کی دلیل، کئی دلائل ہیں اُن میں سے ایک یاد کر لیں کافی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورۃ البقرۃ آیت نمبر 185 میں: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾(رمضان کا مہینہ جس میں قرآن مجید کو نازل کیا گیا)۔

اور اِس سے آسان سورۃ القدر آیت نمبر 1: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾۔

سورۃ الاسراء آیت نمبر 106 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا﴾۔ اس میں فعل مطلق کے ساتھ یعنی یقینی طور پر نازل کیا گیا ہے تاکہ کسی کو کوئی بھی شک و شبہ نہ رہے۔

ورنہ ایک ہی آیت کافی تھی نا نازل ہو گیا دلیل ہے اس لیے دیکھیں تنوع کیوں ہے دلائل میں ؟ عجب بات ہے کہ اس کے باوجود بھی لوگوں نے انکار کیا ہے !(سبحان اللہ)، ورنہ یہ کافی تھا کہ نازل ہو گیا اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ایک دفعہ کافی تھا لیکن تنوع اس لیے ہے کہ لوگ آئیں گے جو انکار کریں گے اُن پر حجت تمام ہو جائے قیامت کے دن تاکہ کسی کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہے کہ کہیں پر اس لفظ سے یہ معنیٰ بھی نکلتا تھا یا نہیں نکلتا تھا، جب انتہا کر دی فعل مطلق سے ﴿تَنۡزِيۡلًا﴾ ہو گیا ہے اب تو کوئی مجاز کی یا کسی اور کی طرف دماغ کے (ذہن کے) جانے کی کوئی ضرورت باقی نہیں بچتی۔

3-''غَيْرُ مخلوقٍ''کی دلیل کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یہ نوٹ کر لیں بہت ہی اہم ہے سورۃ الاعراف آیت نمبر 54 میں: ﴿اَلَا لَهُ الۡخَلۡقُ وَالۡاَمۡرُ﴾إلي آخر الآية: (اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خلق ہے اور اُمر ہے)۔

اور خلق اور اُمر کو جدا جدا کر لیا ہے کیونکہ عطف سے مراد مغایرۃ ہوتا ہے الگ الگ کرنا ہوتا ہے: "قرآن اللہ تعالیٰ کے اُمر میں سے ہے"۔ خلق الگ چیز ہے اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا کیا ہے، اور اُمر الگ چیز ہے اللہ تعالیٰ نے اُمر کو نازل کیا ہے۔

اور قرآن مجید اُمر ہے اس کی دلیل کیا ہے اب ؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورۃ الشوریٰ آیت نمبر 52 میں: ﴿وَكَذٰلِكَ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا﴾ واضح دلیل ہے: (اور اسی طریقے سے ہم نے آپ پر وحی کی ہے) ﴿رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا﴾ (اپنے اُمر سے روح (یعنی وحی)) ﴿مَا كُنۡتَ تَدۡرِىۡ مَا الۡكِتٰبُ وَلَا الۡاِيۡمَانُ وَلٰكِنۡ جَعَلۡنٰهُ نُوۡرًا نَّهۡدِىۡ بِهٖ مَنۡ نَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِنَا﴾ (آپ نہیں جانتے تھے کیا کتاب ہے اور کیا ایمان ہے لیکن ہم نے اسے نور بنایا ہے جسے ہم چاہیں ہدایت دے دیں اپنے بندوں میں سے)۔

کیا ہے جو نور ہے جو ہدایت ہے ؟ ﴿هُدًى لِّلۡمُتَّقِيۡنَ﴾ (البقرۃ:2) کیا ہے؟ قرآن مجید ہی ہے نا۔ اور قرآن مجید کے تعلق سے اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے ؟ ﴿وَكَذٰلِكَ اَوۡحَيۡنَاۤ﴾۔ وحی کیا ہے؟ قرآن مجید ہی ہے نا۔

اب اس آیت میں دیکھیں کہ ساری باتیں قرآن مجید کے تعلق سے ہیں نا: ﴿رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا﴾: "اُمر" تو قرآن مجید بھی اُمر میں سے ہے، اور اُمر جو ہے وہ خلق سے جدا الگ چیز ہے۔

تو اس سے واضح ہوا کہ قرآن مجید مخلوق نہیں ہے کیونکہ اُمر ہے اور اُمر مخلوق نہیں ہے، کیونکہ اگر مخلوق کہا جائے یا مخلوق ہوتا تو یہ تقسیم درست نہ ہوتی ﴿الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ﴾ الگ الگ، اور یہ سمعی دلیل ہے (شیخ صاحب فرماتے ہیں) جو قرآن مجید میں واضح ہے۔

اب عقلی دلیل اس کی "قرآن مجید مخلوق نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا کلام ہے": شیخ صاحب فرماتے ہیں ہم یہ کہتے ہیں: کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور جو کلام ہے نا وہ الگ سے کوئی عین یا کوئی چیز نہیں ہے جو خود قائم ہو جائے اللہ تعالیٰ سے الگ، اگر اللہ تعالیٰ سے الگ کوئی چیز ہوتی تو ہم یہ کہہ سکتے تھے کہ مخلوق ہے، لیکن کلام ہمیشہ متکلم کی صفت ہوتی ہے اور اگر صفت ہے (متکلم کی جو کلام کرتا ہے) اور اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا ہے اور اس سے واضح ہوا کہ قرآن مجید نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات جو ہیں (ساری کی ساری) مخلوق نہیں ہیں۔

واضح ہوا؟ مطلب کیا ہے شیخ صاحب یہ فرما رہے ہیں: کہ جب بھی (مخلوق کی بات لے لیں آپ) انسان کوئی بات کرتا ہے کلام کرتا ہے یہ کلام جو ہے اس کی صفت ہے (بات کرنے والے کی صفت ہے) کوئی الگ سے چیز نہیں ہے جو اپنے نفس پر قائم ہو جائے۔ ایک انسان کا ہاتھ ہے الگ ہے، کان الگ ہے، پاؤں الگ ہیں، مختلف حصے ہیں کیا کلام بھی حصہ ہے؟ دیکھیں زبان الگ چیز ہے لیکن جو الفاظ نکل رہے ہیں آواز نکل رہی ہے اس کا اپنا "بنفسہ" کوئی الگ سے وجود نہیں ہے کوئی حصہ نہیں ہے، تو یہ نہیں کہا جاتا کہ کلام انسان کا حصہ ہے۔ کہا جاتا ہے؟ نہیں، ممکن نہیں ہے نا! کلام کیا ہے؟ انسان کی صفت ہے۔

اسی طریقے سے اللہ تعالیٰ (سبحانہ وتعالیٰ جلّ شانہ) کلام فرماتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے، اور اللہ تعالیٰ کا کلام جو ہے اللہ تعالیٰ کی صفت ہے الگ سے کوئی چیز نہیں ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے کائنات کو پیدا کیا ہے، کائنات اللہ تعالیٰ سے الگ ہے، اس لیے کہتے ہیں " بائن من خلقه" (کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے جدا ہے (الگ ہے))۔

تو کیا کلام اللہ تعالیٰ سے بالکل جدا ہے مخلوق کی طرح؟ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا! کیونکہ صفت جو ہے ہمیشہ (متکلم کی صفت جو ہے) اس کا تعلق ذات سے ہوتا ہے تو مخلوق جو ہے وہ الگ ہے، اور جو کلام ہے اس کا خلق سے تعلق ہی نہیں ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے (تو شیخ صاحب یہ فرما رہے ہیں)۔

اور اسی طریقے جتنی بھی اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں (ساری کی ساری) مخلوق نہیں ہیں بلکہ وہ سب کی سب صفات ہیں اللہ تعالیٰ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں: اگر قرآن مجید مخلوق ہوتا تو پھر جو دلالت ہے قرآن مجید کی اُمر کی، نہی کی، خبر یا استخبار کی (دیکھیں قرآن مجید میں چار قسم کے جملے ہیں پانچواں نہیں ہے (میں آپ کو سمیٹ کر دے دوں دیکھیں علم کیا ہوتا ہے)، یا اُمر ہے، یا نہی ہے، یا خبر ہے، یا استخبار ہے: اُمر حکم ہے، نہی منع کیا گیا ہے، خبر آپ کو دی جاتی ہے، اور استخبار "سوال" یہ بھی خبر کا ایک خاص حصہ ہے جس میں سوالیہ جملے ہیں) اگر یہ سارے کے سارے جو صیغے ہیں جو مخلوق ہوتے تو پھر مطلب یہ ہوتا کہ یہ ساری کی ساری صرف اور صرف شکلیں ہیں اُن کی کوئی دلالت نہیں ہے، اور سب ایک جیسے ہیں (جیسے کہ آسمان کے تاروں کی الگ شکل ہے، سورج کی الگ شکل ہے، چاند کی الگ شکل ہے) صرف شکل ہوتی الفاظوں کی لیکن دلالت میں کوئی کیا فرق پڑتا جب سب مخلوق ہیں؟!

سمجھیں، یعنی اُمر میں، نہی میں، خبر استخبار میں کوئی فرق نہ ہوتا، جیسا کہ آسمان کے تارے ہیں، سورج اور چاند ہے، مخلوق ہیں ناسب؟ اُن کا کوئی پیغام سنا ہے آپ نے؟ معنی کیا ہے؟ اُن کے فنکشن (Function) کی بات نہیں کر رہے کہ اُن کا کام کیا ہے، ہم یہ بات کر رہے ہیں کہ مخلوقات ہیں، اللہ تعالیٰ کی بڑی مخلوقات ہیں دلالت کرتی ہیں اُن کو کوئی پیدا کرنے والا ہے۔

اب اسی طریقے سے اگر یہ کہا جائے کہ: ﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾(البقرۃ:43)، ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔـا﴾(النساء:36) مثال کے طور پر: اُمر ہے اور نہی ہے۔

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾(الفاتحہ:1): خبر ہے۔

اب اُمر ہے، نہی ہے، خبر ہے، اگر یہ سب مخلوق ہوتیں تو کیا فرق ہے پھر جملوں میں؟ کوئی فرق باقی رہتا ہے؟ نہ اُمر کا کوئی اصل معنی ہے نہ وجود ہے، نہ نہی کا کوئی قاعدہ ہے دلالت ہے، اور نہ ہی خبر کی نہ استخبار کی، یہ صرف الفاظ رہ جاتے بس جن کی دلالت کوئی نہیں کیونکہ مخلوق ہیں۔

(آگے تفصیل آئے گی مزید چند مثالوں کے ساتھ)۔

قرآن مجید کے تعلق سے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ بیان کر رہے ہیں، جملے نوٹ کریں: سب سے پہلا جملہ ہے "القرآن كَلَامُ اللهِ"، دوسرا جملہ "مُنَزَّلٌ"، تیسرا ہے "غَيرُ مخلوقٍ"۔

4-چوتھا ہے: "مِنْهُ بَدَأَ" (ابتداء اللہ تعالیٰ سے ہوئی ہے)۔

یعنی سب سے پہلے قرآن مجید کی ابتداء اللہ تعالیٰ سے ہوئی ہے وجہ کیا ہے؟ کیونکہ قرآن مجید کی جو نسبت ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف بھی ہے، جبریل علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف بھی ہے، اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بھی ہے۔

(۱) پہلے کی مثال کہ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ہے جیسا کہ سورۃ التوبہ کی آیت نمبر 6 میں: ﴿فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ﴾: تو اس میں کلام اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے۔

(۲) دوسری مثال سیدنا جبریل علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف اضافہ جو ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ﴾ (التکویر: 19-20): بے شک یہ رسول کریم کا قول ہے ﴿ذِي قُوَّةٍ﴾ بڑی طاقت والا ہے ذی العرش مکین کے قریب۔ اس سے کیا مراد ہے؟ سیدنا جبریل علیہ الصلاۃ والسلام۔

(۳) اور تیسرا جو ہے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نسبت جو ہے سورۃ الحاقۃ آیت نمبر 40 سے 42 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ ۝ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ۝﴾: بے شک یہ قرآن مجید جو ہے رسول کریم کا قول ہے ﴿وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ﴾ شاعر کا قول نہیں ہے اور نہ ہی کاہن کا قول ہے۔

تو کس کا قول ہے؟ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ہے۔ تو یہاں پر نسبت اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہے۔

5-"وَإِلَيْهِ يَعُودُ" (واپسی اللہ تعالیٰ کی طرف ہے)۔

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ قرآن مجید کے تعلق سے ان پانچ جملوں پر قائم ہے: (۱) قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ (۲) منزّل ہے (نازل کیا گیا ہے)۔ (۳) مخلوق نہیں ہے۔ (۴) ابتداء اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوئی۔ (۵) اور انتہا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ (۶) اور چھٹا جملہ جو ہے کہ مخلوق کے کلام جیسا نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے۔

"وَإِلَيْهِ يَعُودُ": اس کے دو معنی ہیں (شیخ صاحب فرماتے ہیں) کہ قرآن مجید کی واپسی اللہ تعالیٰ کی طرف ہے:

(ا) کہ بعض آثار میں یہ آیا ہے کہ قرآن مجید جو ہے ایک ہی رات میں کتابوں سے اور لوگوں کے سینوں سے نکال دیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اُٹھالے گا اپنی طرف (یعنی آسمان کی طرف)۔

اور یہ أثر ہے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا، فرماتے ہیں: "کہ قرآن مجید تمہارے بیچ میں سے اُٹھالیا جائے گا ایک ہی رات میں، نہ تم لوگوں کے سینوں میں رہے گا اور نہ ہی زمین پر اس کا وجود باقی رہے گا"۔

(اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور صحیح سند ہے، اور علامہ البانی نے "الصحیحۃ" میں بھی اس أثر کو بیان کیا ہے، تو صحیح أثر ہے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا)۔

تو پہلے کا یہ معنی ہے: "إِلَيْهِ يَعُودُ" (واپسی اللہ تعالیٰ کی طرف ہے)، کہ قرآن مجید واپس اللہ تعالیٰ کی طرف ہی جائے گا۔

اور شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): یہ تب ہوگا (واللہ أعلم) کہ لوگ جب قرآن مجید سے مکمل طور پر اعراض کرلیں گے اور منہ موڑلیں گے۔ نہ تو کوئی پڑھنے والا ہوگا، نہ اس سے کوئی عقیدہ اپنا درست کرے گا اور نہ اس پر عمل کرنے والا ہوگا، جب ایسا وقت آئے گا تو پھر اللہ تعالیٰ قرآن مجید کو اٹھالے گا کیونکہ قرآن مجید بہت ہی بڑی شرف والی کتاب ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کا پاک کلام ہے) اور لوگوں میں اُس صورت میں رہنا جب لوگ اُس سے ہجر کر چکے ہوں، اور اعراض کر چکے ہوں اور اُس کی قدر کرنے والے نہ ہوں جیسا کہ قدر کرنے کا حق ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے اُٹھالے گا۔

اور اس کی دوسری مثال بھی ہے اس طریقے کی کہ کعبہ جو ہے وہ آخر وقت میں (اور قیامت کی یہ نشانیوں میں سے ہے) کعبے کا بھی خاتمہ ہوجائے گا یہ جو اللہ تعالیٰ کا پاک گھر ہے کعبہ کو بھی توڑ دیا جائے گا ختم کردیا جائے گا، اور اس کی دلیل بھی مسند الامام احمد میں سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میں نے فرماتے ہوئے سنا: "کہ ذُوالسُّوَيْقَتَيْن جو ہے حبشہ سے آئے گا اور کعبہ کو توڑ دے گا ختم کردے گا اور جو بھی خوبصورتی ہے کعبے کی اور حلیۃ جو ہے اور یہ جو پردہ ہے سب سلب کرلے گا اور اٹھالے گا"، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: "میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ أصيلع أفيدع ہے (یعنی اس کی شکل بھی عیب ہوگی کافی اس کے جسمانی عیوب ہوں گے یعنی سر پر بال نہیں ہوں گے اور ٹانگیں بھی اس کی ٹیڑھی ہوں گی، ذُوالسُّوَيْقَتَيْنِ اس لیے کہتے ہیں کہ بالکل دبلی پتلی ٹانگیں ہوں گی اس کی) اپنا جو بیلچہ ہے اس سے وہ کعبے کو توڑ رہا ہے"۔

اور متفق علیہ حدیث میں (صحیح بخاری، مسلم میں) آیا ہے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلمنے فرمایا ہے: "کہ کعبے کو توڑے گا اور ختم کرے گا ذُو السُّوَيْقَتَيْنِ جو حبشہ سے آئے گا"۔ (الغرض، اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائے)۔

یہ عقیدے کے ہم مسائل بیان کر رہے ہیں اور آخرت پر ایمان کے تعلق سے بھی یہ باتیں کئی علماء نے بیان کی ہیں لیکن ضمناً یہ بات آگئی ہے کہ قرآن مجید جیسے اُٹھالے گا اور یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ آخری وقت میں قیامت سے پہلے قرآن مجید کو اُٹھالیا جائے گا کیونکہ جب قرآن مجید پر عمل نہیں کرنے والے ہوں گے اور قرآن مجید کی قدر کرنے والے لوگ نہیں باقی رہیں گے تو قرآن مجید بھی پھر باقی نہیں رہے گا۔

اور اسی طریقے سے کعبہ جو ہے جب کعبے کا حق ادا کرنے والے نہیں ہوں گے اور لوگ جو ہیں وہ اُس سے اعراض کریں گے تو تب بھی پھر کعبہ جو ہے وہ بھی باقی نہیں رہے گا۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ ایک شخص آئے گا حبشہ سے جو چھوٹے قد کا ہو گا اور کالے رنگ کا ہو گا اور اپنا لشکر لے کر آئے گا سمندر سے مسجد الحرام تک آئے گا اور وہ کعبے کی اینٹ سے اینٹ بجادے گا اور ایک ایک پتھر اُٹھالے گا اور وہ سمندر میں انہیں پھینک دے گا، یعنی وہ ایک لائن میں کھڑے ہو جائیں گے اور کعبے کو توڑیں گے اور ایک دوسرے کو پتھر دیں گے (اب یہ دیکھیں کہاں کعبہ اور کہاں سمندر ہے جدّہ کے پار تک ! وہاں تک یہ لوگ اتنا بڑا لشکر ہو گا اور وہ لوگ کعبے کو توڑیں گے اور ایک دوسرے کو دیں گے یہاں تک کہ اسے سمندر میں پھینک دیں گے ! نعوذ باللہ) اور اللہ تعالیٰ اُن کو یہ تمکین دے گا یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہو گا۔

جبکہ دیکھا جائے (شیخ صاحب فرماتے ہیں) جب اُبرہہ یمن سے آیا تھا اپنی مکمل طاقت کے ساتھ اور اپنا لشکر بھی لے کر آیا تھا اپنے ہاتھی بھی لے کر آیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اُس کو ناکام اور نامراد کیا تھا اس سے پہلے کہ وہ مسجد الحرام کی طرف پہنچے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی اور اللہ تعالیٰ کو علم بھی اس کا ہے کہ عنقریب ایک نبی آئے گا اور مسجد الحرام کی جو اصل عظمت اور ہیبت ہے وہ باقی رہے گی اور واپس آئے گی (کیونکہ شرک عام تھا اُس زمانے میں اس کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک گھر کی حفاظت کی ہے کیونکہ نبی آخر الزمان نے آنا تھا اور کعبۃ اللہ کی جو عظمت ہے اور ہیبت ہے اور عصمت جو ہے وہ واپس آنی تھی)، لیکن آخری زمانے میں اب کوئی نبی واپس دوبارہ نہیں آئے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے

پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخر نبی اور خاتم النبیین ہیں اور جب لوگ جو ہیں جب اللہ تعالیٰ کے گھر سے منہ موڑیں گے مکمل طور پر اور اللہ تعالیٰ کے گھر کی جو حرمت ہے اور جو عظمت ہے اور جو حق ہے اسے ادا نہیں کریں گے جیسا کہ حق ادا کرنا چاہیے تو پھر اللہ تعالیٰ کعبے پر ایک شخص کو مسلط کرے گا جو حبشہ سے آئے گا اور اُس کا خاتمہ کر دے گا، اور بالکل اسی طریقے سے اس کی مثل ویسی ہے جیسے قرآن مجید کو اُٹھانے کا ذکر ہوا ہے یہ دونوں چیزیں یعنی آخر زمانے میں ہوں گی (واللہ أعلم)۔

تو اصل بات ہو رہی ہے کہ قرآن مجید کی واپسی اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ کیسے ہو گی؟ کہ قرآن مجید کا وجود نہ کتاب میں رہے گا اور نہ ہی لوگوں کے دلوں میں (سینوں میں) رہے گا۔

یعنی کوئی حافظ بھی باقی نہیں رہے گا اور نہ قرآن مجید کی کتاب کا کوئی وجود ہو گا، یعنی لوگ اُٹھیں گے صبح آج کے دن قرآن پڑھ رہے ہیں لوگ، رات کو بھی ہے، صبح اُٹھیں گے کتاب کھولیں گے کچھ نہیں ہے! یاد کرنے کی کوشش کریں گے یاد بھی نہیں آرہا! نہ دماغ میں ہے، نہ دل میں ہے، نہ کتاب میں ہے! یعنی (اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائے) کیا زمانہ ہو گا آپ سوچ سکتے ہیں؟!

قرآن مجید دلوں کا نور ہے، رحمت ہے نور ہدایت ہے، سکون ہے دل کا اطمینان ہے، یہ ساری چیزیں اچھی ہیں باقی کیا رہے گا؟ یعنی کیسے لوگ ہوں گے اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائے اور اُس زمانے سے اللہ تعالیٰ ہمیں بچائے؟! واللہ بہت مصیب والا زمانہ ہو گا! لوگوں کی کیا حالت ہو گی اور وہ کیسے لوگ ہوں گے؟! (نعوذ باللہ)۔

دیکھیں اللہ تعالیٰ کی یہ سزا ہے عذاب ہے یہ لیکن کس کے لیے ہو گا؟ جو لوگ قرآن مجید سے منہ موڑیں گے! (نعوذ باللہ)۔ ہے کوئی مسلمان منہ موڑ سکتا ہے؟! جی ہاں، ایسا وقت آئے گا جب لوگ قرآن مجید سے اعراض کریں گے منہ موڑیں گے اور عمل بھی نہیں کریں گے۔ اصل قرآن مجید کی جو ہے نا عمل کرنے کی بات ہے۔

جب عمل نہیں ہو گا یا عمل ہو گا تو اُس کے مخالف ہو گا، بدعت عام ہو جائے گی اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا فرمایا ہے؟ قیامت بدترین لوگوں پر قائم ہو گی "الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْقُبُورَ مَسَاجِدَ": اپنے انبیاء کی قبروں پر مساجد بنائیں گے سجدہ گاہیں ہوں گی، مزارات قائم ہوں گے، اور شرک عام ہو جائے گا (نعوذ باللہ)۔

اس لیے ابھی وقت ہے عقیدے کو درست کرنے کا اور ایسی مصیبتوں سے بچنے کا (اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائے)۔

(۲)دوسرا معنیٰ جو ہے: ''إِلَيْهِ يَعُودُ'' کہ واپسی قرآن مجید کی اللہ تعالیٰ کی طرف ہے، وہ یہ کہتے ہیں: صفت کے اعتبار سے کہ واپسی اللہ تعالیٰ کی طرف ہے کیونکہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور ہمیشہ صفت کی نسبت موصوف کی طرف کی جاتی ہے۔

﴿كَلٰمَ اللّٰهِ﴾ سے مراد اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور واپسی کی نسبت جو ہے وہ موصوف کی طرف واپس جاتی ہے۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں: دونوں معنیٰ صحیح ہیں اور دونوں معنیٰ کو ایک ساتھ ماننے میں کوئی حرج نہیں ہے (دونوں معنیٰ صحیح ہیں)۔ یہ اہل سنت والجماعت کے قرآن مجید کے تعلق سے عقیدے کے چند الفاظ ہیں۔

دوسری طرف معتزلہ جو اہل بدعت ہیں اُن کے نزدیک قرآن مجید مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے، اور اس کے لیے وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں، سورۃ الزمر آیت نمبر 62 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾ (اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ہر چیز پر وکیل ہے اور کارساز ہے)۔

وہ یہ کہتے ہیں کہ قرآن "شيء" ہے اور اس عموم میں داخل ہے ﴿كُلِّ شَيْءٍ﴾ میں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے کیونکہ ہم صرف دو چیزیں ہی جانتے ہیں یا خالق ہے یا مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ خالق ہے تو باقی کیا رہا؟ مخلوق رہی۔ تو اس لیے قرآن مجید بھی مخلوق ہے (نعوذ باللہ)۔

اب ذرا کچھ اور بھی آگے باتیں ہوں گی ایک چیز کی میں تنبیہ کر دوں پہلے سے، آپ نے سن لیا جو اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے چند لفظوں میں دلیل کے ساتھ، مکمل دلیل آپ کو مل گئی ہے۔ اہل بدعت کی دیکھیں قرآن مجید کی آیت کی دلیل پیش کی ہے کہ نہیں؟ وہ کہتے ہیں معتزلہ اور اہل بدعت کہ قرآن مجید بھی مخلوق ہے (نعوذ باللہ) تو ہمارے پاس کیا دلیل ہے؟ اب اہل سنت والجماعت کے جو دلائل میں نے پیش کیے ہیں ابھی اور آگے بھی کئی دلائل ہیں تقریباً آٹھ یا دس سے زیادہ ہیں وہ بھی آپ دیکھ لینا۔ ایک دلیل جو میں نے بیان کی ہے اور اہل سنت والجماعت کے جو عقیدے کے تعلق سے چند اہم باتیں ہیں ان کو ایک طرف رکھیں آپ دیکھیں کتنا وزن ہے ان میں، اور ان کی طرف دیکھیں ان کے پاس کیا ہے؟! یہ دلیل کہتے ہیں اور ہیں شبہات سارے! بہت بڑی غلط فہمیاں ہیں!

اب دیکھیں اس آیت میں دیکھیں، کہتے ہیں ہمارے پاس دلیل ہے کہ قرآن مجید مخلوق ہے۔ کیا دلیل ہے؟ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ﴾۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں اس میں کہاں ہے کہ قرآن مخلوق ہے؟ ﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ﴾ میں قرآن مجید کا ذکر ہے؟ نہیں ہے۔

دیکھیں ﴿حَتّٰى یَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ﴾ میں واضح ہے کہ نہیں؟ اتفاق ہے یہ بھی مانتے ہیں کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، ﴿كَلٰمَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس سے یہ مراد ہے۔ اب اس واضح دلیل کو چھوڑ کر آپ اس کی طرف آرہے ہیں کہتے ہیں ﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ﴾۔

ٹھیک ہے ﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ﴾ ہے کیا مسئلہ ہے اس میں؟ کہتے ہیں قرآن "شیء" ہے کہ نہیں؟ یہ کتاب قرآن مجید "شیء" ہے کہ نہیں؟ "شیء" ہے نا چیز ہے کہ نہیں؟ چیز ہے۔ تو پھر یا تو خالق ہے یا مخلوق ہے، قرآن مجید چیز ہے تو چیز مخلوق ہوتی ہے، اب دو چیزیں ہیں یا تو خالق ہے یا مخلوق ہے تو اس لیے پھر ماننا پڑے گا کہ قرآن جو ہے مخلوق ہے (نعوذ باللہ)۔

اب جواب سنیں ذرا، شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ) جواب اس کا دو طریقے سے:

1- پہلا طریقہ یہ ہے: کہ بے شک قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور صفت ہے، مخلوق نہیں ہے۔

2- دوسری بات یہ ہے: کہ یہ تعبیر ﴿كُلِّ شَیْءٍ﴾ جو ہے یہ عام ہے اور اس سے مراد خاص ہے، اس کی کئی مثالیں قرآن مجید میں ہیں: سبائی جو ملکہ تھی (یا کوئن Queen تھی) اُس کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ﴾ اسے سب کچھ دیا گیا ہے ﴿كُلِّ شَیْءٍ﴾ دیا گیا ہے اسے (سورۃ النمل آیت نمبر 23 میں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے)، لیکن بہت ساری چیزیں اُس کے ملک سے خارج تھیں جیسا کہ ملک سلیمان (علیہ الصلاۃ والسلام) کیا شامل تھا اُس میں؟

اب اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "کہ میں نے سب کچھ دے دیا ہے" کیا ملک سلیمان بھی دیا تھا اسے؟ نہیں تھا اُس کے پاس (بہت ساری چیزیں اور بھی نہیں تھیں، کئی اور ملک بھی اُس کے قبضے میں نہیں تھے)۔

تو ﴿كُلِّ شَيْءٍ﴾ سے کیا مراد ہے؟ "عام قد یراد به الخاص"۔
یعنی جو صیغ العموم ہے اس کے کئی انداز بیان ہیں، بعض دفعہ لفظ عام ہوتا ہے "کُل" عام عموم کے لیے ہے نا، لیکن اس سے مراد خاص چیز ہوتی ہے "کہ جو میں نے دیا ہے سارا کچھ دیا ہے" مطلب یہ ہوتا ہے۔
جو دیا ہے سارا دیا ہے یعنی جو اُس کا ملک ہے وہ سارا اُسی کا ہے، یہ نہیں کہ تمام ممالک سب کچھ میں نے اُسے دے دیا ہے۔
تو "کُل" جو ہے اس کا استعمال جو ہے وہ خاص کے لیے بھی ہوتا ہے جبکہ عام اور خاص دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن یہ خوبصورتی ہے انداز بیان کی سیاق اور سباق سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں عموم سے کیا مراد ہے، کیا صحیح عام جو عام ہے، یا خاص ہے، یا "أرید به الخاص" ہے، یا عام جو ہے وہ تخصیص کے لیے ہے: کس لیے بیان کیا گیا ہے۔
پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں اگر کوئی شخص یہ کہے: اس میں تو بہت بڑا فرق ہے کہ منزّل ہے کہ ہم کہہ دیں کہ قرآن مجید کو نازل کیا گیا ہے اور یہ کہنا کہ مخلوق ہے؟
شیخ صاحب فرماتے ہیں: بالکل، بے شک اس میں کوئی شک نہیں ہے ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے، اور اس پر تو بہت بڑی یعنی آزمائش بھی ہوئی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے زمانے میں، اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید نازل ہوا ہے، اور نازل کیا ہے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورۃ الفرقان آیت نمبر 1 میں: ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ﴾ (بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان (یعنی قرآن مجید) کو نازل کیا ہے)۔ تو اس سے واضح ہوا کہ قرآن مجید نازل کیا گیا ہے، مخلوق نہیں ہے۔
پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں اب اہم بات کہ اگر ہم یہ کہیں قرآن مجید مخلوق ہے مان بھی لیں تو دیکھیں کتنی باطل لوازمات آتی ہیں، اب اصل جملہ ہے، میں نے کہا کہ دو چیزیں یاد رکھیں آج کے درس میں:
1- اہل سنت والجماعت کا عقیدہ قرآن مجید کے تعلق سے کیا ہے دلیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں، پانچ جملے ہیں: (۱) قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ (۲) نازل کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر۔ (۳) مخلوق نہیں ہے غیر مخلوق ہے۔ (۴) ابتداء اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوئی۔ (۵) اور انتہا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف ہے: "القرآن كَلَامُ اللهِ ، مُنَزَّلٌ ، غَيْرُ مخلوقٍ ، مِنْهُ بَدَأَ، وَإِلَيْهِ يَعُوْدُ"۔

2-دوسری بات جو میں نے کہی تھی کیا تھی؟ کہ آخر اگر ہم مان لیں (نعوذ باللہ) کہ قرآن مجید مخلوق ہے تو کیا فرق پڑتا ہے کوئی حرج ہے کہ نہیں؟ آیئے دیکھتے ہیں کتنا بڑا حرج ہے:

شیخ صاحب فرماتے ہیں: اگر ہم یہ کہیں کہ قرآن مجید مخلوق ہے تو اس سے یہ لازم آئے گا:

1-"تکذیب للقرآن" جھٹلانا ہے قرآن مجید کو: (اور یہ بہت بڑی مصیبت ہے! یہ لوگ کہتے ہیں اس میں حرج ہی کیا ہے؟! بہت بڑا حرج ہے!)

سب سے پہلے: "تکذیب للقرآن": کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَ كَذٰلِكَ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا﴾ (الشوریٰ:52): تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو وحی بنایا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نازل کیا ہے، اگر مخلوق ہوتا تو کبھی وحی نہ ہوتا، اور جب وحی ہے تو پھر مخلوق ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہی کلام فرمایا ہے (وحی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے)۔

2-دوسری بات، اگر ہم یہ کہیں کہ قرآن مجید مخلوق ہے تو اس سے یہ لازم ہوگا کہ قرآن مجید کے الفاظ کی جو دلالت ہے وہ ختم ہو جاتی ہے، یعنی أمر، نہی، خبر اور استخبار کی دلالت جو ہے ختم ہو جاتی کیونکہ یہ سارے کے سارے مخلوق ہوتے، صرف یہ ایک لکھے ہوئے الفاظ ہوتے شکل و صورت کے اعتبار سے، جیسا کہ سورج کو پیدا کیا گیا ہے اپنی صورت پر، چاند کو کیا گیا ہے اپنی صورت پر، تاروں کو پیدا کیا گیا ہے اپنی صورت پر، اور نہ تو یہ أمر، نہ تو نہی، نہ خبر نہ استخبار، کچھ نہ ہوتا۔

مثال کے طور پر: "كلمة (قل) (لا تقل) (قال فلان) (هل قال فلان)": اب دیکھیں مثال ہے: "قل" (أمر ہے) "لا تقل" (نہی ہے) "قال فلان" (خبر ہے) "هل قال فلان" (استخبار ہے، سوال ہے): یہ سب کے سب صرف نقش ہوتے اور صورت ہوتی اور اس کی کوئی دلالت نہ ہوتی، نہ أمر کی، نہ نہی کی، نہ خبر، نہ استخبار کی۔

یعنی بے معنی کے الفاظ ہوتے!

دیکھیں یاد ہے آپ کو جب معتزلہ کی بات ہوتی تھی تو ہم یہ کہتے کہ معتزلہ کا عجیب سا عقیدہ ہے: وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ علیم ہے بغیر علم کے، سمیع ہے بغیر سمع کے، بصیر ہے بغیر بصر کے۔ یاد ہے؟!

کیوں کہتے ہیں پتہ ہے؟ اُن کے نزدیک قرآن مجید مخلوق ہے، سارے کے سارے الفاظ جو ہیں وہ بے معنی ہیں!

کب علیم بغیر علم کے ہو گا؟ جب علیم کا معنی باقی نہیں رہے گا نا۔

آپ کہتے ہیں کہ علیم ہے لیکن علم نہیں ہے تو علیم کا معنی کیا ہے؟ ایک لفظ جو لکھا ہوا ہے صرف (سمجھ آئی ہے نا!)۔

﴿وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾(البقرۃ:137): کہتے ہیں "کہ مانتے ہیں السمیع العلیم ہے لیکن نہ سنتا ہے اور نہ ہی علم رکھتا ہے"۔

تو پھر مانا کیا ہے تم لوگوں نے؟! کہتے ہیں "لکھا ہے نا قرآن مجید میں"۔

وہ لکھا ہے تو پھر مانتے کیوں نہیں ہو؟! کہتے ہیں کہ اب پتہ چلا ہے کیونکہ جب مخلوق ہے قرآن مجید اور سارے کے سارے الفاظ جو ہیں وہ مخلوق ہیں تو شکل وصورت باقی رہے گی معنی باقی نہیں رہے گا۔

معنی مانتے تو پھر مخلوق تو نہ ہوا نا، پھر تو وحی ہوئی نا (سمجھ آئی بات)۔

کیونکہ کئی لوگوں نے کہا: کہ ڈاکٹر صاحب یہ کیسے ہو سکتا ہے؟! آپ نے کہا کہ وہ کہتے ہیں کہ علیم ہے بغیر علم کے، اور سمیع ہے بغیر سمع کے، بصیر ہے بغیر بصر کے، تو یہ ہو نہیں سکتا!

اب واقعی بات تو صحیح ہے یہ ہو ہی نہیں سکتا لیکن اُن کی عقل دیکھیں جو اپنے آپ کو بڑا عقلمند سمجھتے ہیں کیسے عقل سے ٹھوکر کھائی ہے؟! لیکن اُن کے پیچھے ایک راز ہے راز کیا ہے؟ اصل ہمارا مسئلہ معتزلہ کی جو بنیادی بات ہے جہاں سے یہ آزمائش بھی تھی اُس زمانے میں اور آج تک بھی یہ مصیبتیں کھڑی ہیں اور ان کی وجہ سے پھر کلابیہ آئے، اُشعری ماتریدی، جنہوں نے تھوڑا سا اختلاف کر کے ان سے عقل کو آگے رکھ کر اختلاف کرتے ہوئے پھر بھی ٹھوکریں کھائیں اور حق کی طرف واپس نہ پلٹ سکے، تو اصل بات یہ ہے بنیادی وجہ یہ ہے "کہ قرآن مخلوق ہے": دیکھا کتنی بڑی مصیبت کھڑی کر دی!

جب قرآن مجید مخلوق ہے تو الفاظ بھی مخلوق ہیں اور جب مخلوق ہے: اب یہ کپ ہے اور یہ ڈیوائس یہاں پر رکھی ہے، یہ کتاب ہے، صرف یہ صورتیں ہیں ڈفرنٹ(Different) چیزیں ہیں۔ چیزیں ہیں صرف ان کی دلالت کیا ہے؟ معنی کیا ہے؟ معنی کو کوئی فرق پڑتا ہے؟! معنی کا الفاظ میں فرق پڑتا ہے: اُمر ہے تعمیل کرنی پڑے گی، نہی ہے رُکنا پڑے گا، خبر ہے تصدیق کرنی پڑے گی، استخبار ہے جواب دینا پڑے گا۔ یہی چیزیں ہوتی ہیں نا؟!

جب آپ کہتے ہیں "مخلوق ہے": سب کو ایک صف میں کھڑا کر دیا، پھر شکلیں صورتیں ہیں بس، اور جب شکل و صورت ہے تو پھر بغیر معنی کے ہے، بغیر معنی کے ہے تو پھر اس کی دلالت ہی باقی نہیں رہی، جب دلالت نہیں ہے تو پھر بات ہی ختم ہے! یعنی قرآن مجید پر آپ عمل کر سکتے ہیں؟!

﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ (البقرۃ:43) دلالت کیا ہے؟ کوئی دلالت نہیں ہے! یعنی دین پر آپ عمل کیا کریں گے مجھے بتائیں؟! آپ کا دین کا باقی رہا کیا ہے؟! صرف فرضی ہے نا، صرف فرضی باتیں ہیں ساری! کوئی حقیقت باقی رہتی ہے؟! (سبحان اللہ)۔

اس لیے ابن القیم رحمہ اللہ معروف تصنیف ہے "النونية" میں فرماتے ہیں: کہ بے شک یہ قول جو ہے اس سے اُمر اور نہی کو باطل قرار دیا جاتا ہے کیونکہ اُمر جو ہے کوئی چیز ہے جو پیدا کی گئی ہے اسی صورت پر بغیر اس کی دلالت کے، اور نہی بھی پیدا کی گئی ہے نہی کی صورت میں الفاظوں کی صورت میں اور اُس کی دلالت کا کوئی مقصد باقی نہیں ہے، اسی طریقے سے خبر اور استخبار بھی ہے۔

تو یہ دوسرا بڑا مسئلہ ہے اگر یہ کہا جائے کہ قرآن مجید مخلوق ہے۔

3- تیسری بات شیخ صاحب فرماتے ہیں: اگر ہم یہ کہیں کہ قرآن مجید مخلوق ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی طرف اسے منسوب کیا ہے "إضافة خلق" اگر یہ کہا جائے تو پھر جتنی بھی مخلوقات کا کلام ہے اور قول ہے وہ سب کا سب اللہ تعالیٰ کا کلام تصور کیا جائے گا کیونکہ تمام مخلوق کا کلام بھی مخلوق ہے اور یہی وجہ ہے کہ وحدۃ الحلول والے جو ہیں اور اتحاد والے وہ یہ کہتے ہیں کہ جو بھی کلام موجود ہے اللہ تعالیٰ کا ہی کلام ہے، یعنی اُن کا ایک شعر بھی ہے، کہتے ہیں: "وَكُلُّ كَلَامٍ فِي الْوُجُودِ كَلَامُهُ ... سَوَاءٌ عَلَيْنَا نَثْرُهُ وَنِظَامُهُ" (جو بھی کلام موجود ہے اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے، چاہے وہ نثر کی شکل میں ہو یا شعر و شاعری، یا نظام کی شکل میں ہو (جو بھی کلام موجود ہے مخلوق کا وہ سب اللہ تعالیٰ کا کلام ہے))۔

تو شیخ صاحب فرماتے ہیں: یہ لازم جو ہے باطل ہے اور جب باطل لازم ہو جائے تو پھر ملزوم بھی باطل ہو جاتا ہے۔

یہ تین بڑی وجوہات ہیں جو اس قول کو باطل کر دیتی ہیں کہ قرآن مجید مخلوق ہے۔

4-اور چوتھی وجہ شیخ صاحب فرماتے ہیں: اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ کلام جو ہے مخلوق ہے اور متکلم سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے تو پھر یہ بات تم پر لازم آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات مخلوق ہیں اُن میں کوئی فرق نہیں ہے، اگر کلام مخلوق ہے پھر اللہ تعالیٰ کا سمع بھی اور بصر بھی مخلوق ہے، یہ بات لازم آتی ہے جبکہ یہ بھی باطل ہے۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں: اگر تم لوگ یہ کہتے ہو کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ سمع جو ہے وہ الگ سے معنی ہے جو سننے والے کی طرف منسوب ہوتا ہے جو صرف اور صرف سنتا ہے لیکن دیکھتا نہیں ہے لیکن کلام ایسا نہیں ہے۔

تو شیخ صاحب فرماتے ہیں: تو پھر یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی آوازیں پیدا کرے ہوا میں جو سُنی جا سکتی ہیں۔

یعنی وہ یہ کہتے ہیں: "کہ سننے میں صفت السمع اور کلام میں فرق ہے"۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں ہم یہ کہتے ہیں: کہ اگر اللہ تعالیٰ ہوا میں آواز پیدا کر سکتا ہے جو سنائی دیتی ہیں تو پھر جو الفاظ سنائی دے رہے ہیں یہ وصف کس کا ہوا کا ہوتا نا جہاں سے سنائی دے رہی ہیں، اور تم یہ خود کہتے ہو کہ ایسی بات نہیں ہے تو پھر کس طریقے سے تم صفت کو غیر موصوف کی طرف لوٹا دیتے ہو؟!

یعنی کلام کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے مخلوق ہے: اچھا سننا جو ہے یہ آواز جو سنتے ہیں؟ اب میں جو بات کر رہا ہوں آپ کے کانوں میں کس ذریعے سے آ رہی ہے؟ ہوا کے ذریعے سے آ رہی ہے نا، ایک بیچ میں میڈیم ہے جو آپ کو پہنچا رہا ہے نا۔

یہ کلام جو ہے جو آپ سُن رہے ہیں میرا ہے یا ہوا ہے؟ میرا ہے۔ کوئی کہے کہ نہیں ہوا کا ہے کیا کہیں گے؟ جا کر آپ عقل کا علاج کرواؤ۔

یعنی دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے! آپ یہاں پر کہتے ہو نہیں، کہ اللہ تعالیٰ ممکن ہے کہ جو ہم سنتے ہیں کلام اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا ہو اس لیے ہم سُن رہے ہیں: یعنی مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے ہوا میں پھر یہ کلام ہَوا کا ہوا اللہ تعالیٰ کا تو نہ ہوا (واضح ہے بات؟)۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں: جب یہاں پر تم نہیں مان سکتے ہو اور یہ کہتے ہو کہ نہیں ایسی بات نہیں ہے کہ ہوا کی جو آواز ہے وہ متکلم کی ہے جو پہنچ جاتی ہے نہ کہ ہوا کی ہے اسی طریقے سے جو صفت الکلام ہے وہ کیوں اسی طریقے سے اسی ترازو پر رکھ کر نہیں مانتے پھر؟! بات تو ایک ہے۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں: یہ چار بڑے اسباب ہیں اور وجوہات ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ قول جو ہے "کہ قرآن مجید مخلوق ہے" باطل قول ہے، اور اگر ان چاروں میں سے صرف یہی بات ہوتی کہ اس بدعقیدگی سے اس باطل قول سے یہ بات لازم آتی ہے کہ أمر، نہی، خبر، استخبار، کو باطل کیا جاتا ہے صرف محض الفاظ رہ جاتے ہیں تو یہی کافی ہوتا اس قول کو باطل کرنے کے لیے کہ قرآن مجید مخلوق ہے۔

اگلے درس میں ان شاءاللہ جو باقی دلائل ہیں قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس کے تعلق سے جو دلائل موجود ہیں ان پر بات کریں گے، تقریباً پانچ آیات ہیں ان پر بات کریں گے۔

((واللہ أعلم))۔

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ, أَشْهَدُ أَنْ لا إِلهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ

یہ رسالہ ڈاکٹر مرتضیٰ بن بخش (حفظہ اللہ) کے آڈیو درس (57.العقیدۃ الواسطیۃ) سے لیا گیا ہے۔ سبق لسانی اور تعبیر کی غلطی کو درست کر دیا گیا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر کوئی اور غلطی نظر آئے تو ضرور آگاہ کریں اور اس خیر کے کام میں شامل ہو جائیں۔